زکوٰۃ

معاشیاتی نقطۂ نظر سے

(۲)

از جناب نعیم صدیقی صاحب

محتاج اور فقر زدہ ہندوستان سب سے پہلے تو معلوم ہونا چاہیے کہ ہندوستان میں وہ عنصر کتنا ہے جو ابتدائی ضروریات میں فوری امداد کا ہر آن مستحق رہتا ہے اور ایسے لوگ کتنے ہیں جن سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ دوسروں کی اعانت کے لیے اپنے اموال میں سے کچھ دے سکتے ہوں۔

یہ تو معلوم ہے کہ تازہ ترین مردم شماری کی رو سے ہندوستان کی آبادی تقریباً چالیس کروڑ ہے۔ اب مختلف اندازہ کرنے والوں نے اس آبادی کی معاشی حالت کے متعلق جو اندازے کیے ہیں، ان کا خلاصہ عرض کیا جاتا ہے:

ماہرین کا خیال ہے کہ اگر ہندوستان کی پوری دولت کو اس کی آبادی پر برابر برابر تقسیم کر دیا جائے تو بھی اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ ملک کا ہر شخص فلاکت زدہ اور مصیبت زدہ رہے، بجائے اس کے کہ کچھ لوگوں کے ہاں دولت کے انبار سمٹ جائیں اور دوسروں کے حصہ میں وہ قلیل اور حقیر سی پونجی بھی نہ رہ جائے جو مساویانہ تقسیم سے متعین ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو:-

سال اندازہ	فی کس آمدنی	سال اندازہ	فی کس آمدنی
سنہ ۱۸۷۰ء	۲۰ روپے (نوروجی)	سنہ ۱۹۰۰ء	۳۰ روپے (لارڈ کرزن)
پہلی جنگ عظیم کے بعد	۱۱۴ " (مسٹر شیراس)	سنہ ۱۹۳۲-۳۳ء	۵۸ " (مسٹر شیراس)

(نوٹ: سنہ ۱۹۱۹ء کے بعد آمدنی کا اضافہ ان بحرانی احوال کی وجہ سے ہے جو جنگ کے نتائج کے طور پر نمودار ہوئے تھے)۔

اس کے بعد تازہ ترین اندازہ جو جنگ عظیم ثانی کے بعد کیا گیا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایک ہندستانی کے حصہ میں مساویانہ تقسیم کی رو سے چونسٹھ روپے چھ آنے سے لے کر اٹھتر روپے سالانہ تک دولت آ سکتی ہے۔ ان دونوں رقموں کے بیچ میں سٹر کا ہندسہ لے لیجیے۔ یعنی:-

سالانہ: ۷۰ روپے۔ ماہانہ: ۵ روپے ۱۳ آنے ۴ پائی۔ یومیہ: ۳ آنے ۱½ پائی۔

اب ہمارا ہندوستانی اس ۳ آنے ۱½ پائی سے روٹی بھی کھائے گا، کپڑا بھی پہنے گا، مکان بھی بنائے گا، صحت کا رکھ رکھاؤ بھی کرے گا، حکومت کو فوج، پولیس، عدالت، تعلیم، وغیرہ مشترکہ کاموں کے لیے ٹیکس اور چندے بھی دے گا ——— اور وہ یہ سب کچھ اسی تین آنے سوا پائی میں کرتا ہے! ——— ایک دلچسپ معما ہے یا نہیں؟

ہاں، یہاں اس امر کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ جنگ عظیم ثانی کی جو فضا اب تک معاشیاتی مسائل پر مسلط ہے، وہ ہمارے ہندوستانی کی آمدنی میں بہت بڑا اضافہ کر گئی ہے، مگر یہ محض نمائشی اضافہ ہے، کیونکہ یہ نتیجہ ہے "افراط زر" کا، یعنی مصنوعی زر کاغذی اتنا پھیلا دیا گیا ہے کہ اس کی قیمت گر گئی ہے اور اشیاء کی گرانی نارمل سے کئی سو فیصدی تک بڑھ گئی ہے، اس وجہ سے آمدنی کی اس نمائشی ترقی کا تذکرہ غیر ضروری ہے، ورنہ اس سے غلط فہمی ہوگی۔ پیداواری اضافہ غالباً کل ۲۰ فی صد ہوا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے ہندوستانی صاحب کی یومیہ آمدنی تین آنے ساڑھے آٹھ پائی ہو گئی ہے سالانہ ۸۴ روپے۔ تو پھر کیا ہوا؟

دولت کی اس کمی کا علاج تو اضافۂ پیداوار ہی سے ممکن ہے اور اس پہلو سے تدابیر کو سوچنا معاشیات کا ایک مادی میدان کار ہے۔ ہماری دلچسپی معاشیات کے اخلاقی پہلو سے ہے، یعنی ہم توجہ اس پر دینا چاہتے ہیں کہ سوسائٹی کے افراد میں صلاحیتوں اور قوتوں کا جو اختلاف ہے وہ انفرادی آزادی کی فطری نعمت کو بحال رکھنے کی صورت میں تقسیم دولت میں جو ناہمواری پیدا کر دیتا ہے، اس کے ازالہ کی مختلف اصلاحی تدابیر میں سے ایک تدبیر "زکوٰۃ" کے عمل کا جائزہ لیں۔ جن لوگوں کو ہندوستان کی دولت میں سے زیادہ حصہ ملا ہے ان کے کندھوں پر ان لوگوں کی اعانت کی ذمہ داری کا بوجھ رکھیں جو بعض کمزوریوں کی وجہ سے اپنے اصل حصے سے بھی کم پا رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک ماہر کا اندازہ یہ ہے کہ ہندوستان کی ۹۰ ٪ آبادی مفلوک الحال ہے اور صرف ۱۰ ٪ بآرام زندگی بسر کر رہی ہے۔ ہماری رائے میں یہ اندازہ ایک حد تک صحیح ہے۔ مگر اس اندازہ میں مفلوک الحال سے مراد ایسی حالت ہے جس میں جملہ انسانی ضروریات یا ان کے کسی بھی حصہ کو پورا کرنے میں مشکلات حائل ہوں ـــــ اور وہ ضروریات یہ ہیں :-

۱- غذا ؛

۲- لباس۔

۳- مکان۔

۴- صحت۔

۵- تعلیم۔

۶- آرام اور تفریح کے ناگزیر وسائل۔

آخری ضرورت کو اس فہرست سے آپ سردست حذف ہی سمجھیے اور تعلیم کو بھی ابھی درکنار رکھیے، بلکہ صحت کو بھی ، ـــــ حتیٰ کہ مکان اور لباس کا مسئلہ بھی ابھی نظرانداز کر کے صرف "غذا" کے سوال کو لے لیجیے؛ کیونکہ یہ ایسی ضرورت ہے جس کے بغیر روح اور جسم کا رشتہ برقرار ہی نہیں رکھا جا سکتا ـــــ اولین اور اہم ترین ضرورت !

اس معاملہ میں ہندوستان کا حال ذرا یہ ہے کہ

ا۔ ۳۹ ٪ باشندوں کی غذا متوازن اور معیاری ہے !

ب۔ ۴۱ ٪ باشندوں کی غذا غیر متوازن اور غیر معیاری ہے !

ج۔ ۲۰ ٪ باشندوں کی غذا بہت ہی ناکافی اور ردی ہے !

نوٹ :۔ اس آخری طبقہ کے ۸ کروڑ افراد میں بالکل فاقہ مست اور گداگر وغیرہ سبھی کو شامل سمجھیے !

گویا اگر صرف غذا ہی کے اولین مسئلے پر توجہ دی جائے تو ہمارے پاس ۸ کروڑ باشندے یا (۵ افراد فی کنبہ کے اوسط سے) ایک کروڑ ۶۰ لاکھ کنبے دوسروں کی مدد کے محتاج ہیں۔ نیز یہ کہ اگر "زکوٰۃ کا امدادی فنڈ"

ان لوگوں کی اولین ضرورت پوری کرکے بچ رہے تو "ناقص غذا" پر بسر کرنے والی ۴۸ فی صد آبادی یا ۱۶۸۰۰۰۰۰۰ باشندوں یا ۳۳۶۰۰۰۰۰ کنبوں کو ضروری مالی امداد درکار ہے! ہاں اگر طبقہ "ج" کی ضرورت سے کچھ نہ بچے تو ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑا بھی جا سکتا ہے۔

دوسرے یہ بات بھی واضح ہے کہ بقیہ ۳۹ فیصدی آبادی ہی میں وہ لوگ پائے جا سکتے ہیں جن سے زکوٰۃ کا امدادی فنڈ جمع ہوتا ہے ــــ اس امر کا امکان ضرور ہے کہ طبقہ "ا" میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی موجود ہو جو مناسب غذا کھا پی کر کچھ بچا نہ سکتے ہوں کہ ان پر زکوٰۃ عائد ہو سکے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ طبقہ "ب" میں ایسی نرالی مخلوق پائی جا سکتی ہے جو غذا کے معاملہ میں دانستہ کنجوسی اور بنیا پن کر کرکے کچھ نہ کچھ پس انداز کر رہی ہو ــــ یہ نرالی مخلوق کم ضرور ہوگی!

خیر ایک سرسری حساب سے یوں سمجھیے کہ کل آبادی کا ۵۲ فیصدی حصہ ایسا ہے جس سے ہم کچھ نہ کچھ چندہ زکوٰۃ فنڈ کے لیے وصول کر سکتے ہیں ـ ـ ـ اور پھر اسے ۴۸ فیصد پر خرچ کر سکتے ہیں!

اب لیجیے دوسرا مسئلہ لباس کا ــــ تاکہ اگر غذا کے مسئلے کو حل کرنے سے فنڈ بچ نکلے تو اسی دوسری شدید ضرورت پر صرف کیا جا سکے۔

اندازہ کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں کپڑے کا کل صرف ۴½ ارب گز ہے ــــ اگر یہ مقدار برابر تقسیم ہو تو ہر ہندوستانی کو ۱۲½ گز کپڑا سالانہ ملتا ہے، مگر تقسیم یوں تو ہوتی نہیں۔ بلکہ بعض کو زیادہ حصہ ملتا ہے، بعض کو کم۔ تخمیناً ہر دس ہندوستانیوں میں سے ایک کا لباس بہت ہی اچھے معیار کا ہوتا ہے، دوسرے کا بھی مناسب اور تن پوش، تیسرے کا اگرچہ کافی نہیں ہوتا، مگر ناکافی بھی اسے نہ سمجھنا چاہیے گذر کے لیے مناسب ہے، یہ تو ۱۲ کروڑ افراد کا حساب ہوا۔ اب رہے ۲۸ کروڑ تو یہ بہت ہی کم حصہ پاتے ہیں۔ یعنی ان میں سے مرد تو ایک لنگوٹ اور ایک پگڑی پر گذر کرتے ہیں اور اپنی عورتوں کو ایک ساڑھی یا زیادہ سے زیادہ اس کے ساتھ ایک پوری انگیا فراہم کر دیتے ہیں اور بس۔ ان میں سے ۸ کروڑ کی حالت اگر مصلحۃً قابلِ برداشت قرار دے بھی دی جائے تو بقیہ ۲۰ کروڑ تو خود عریاں رہ کر ملک کے نظام معاشی کو اور اس کی اخلاقی ابتری کو ننگا کر رہے ہیں۔ یوں سمجھیے کہ ان بے چاروں میں سے کسی کو

ہ اگر سالانہ سے زائد کپڑا مل ہی نہیں سکتا۔ آگے چل کر ہم غور کریں گے کہ زکوٰۃ فنڈ اس عریانی کا کیا علاج کرسکتا ہے جس کا نہ الٹا ہے نہ سیدھا!

اس کے بعد مکانوں کا مسئلہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ اگر غذا اور لباس کے مسئلہ سے ہم نمٹ لیں تو پھر اس پر فوری توجہ ناگزیر ہوگی۔ گذشتہ مردم شماری بتاتی ہے کہ مکانوں کی کل تعداد ہندوستان میں:-

ا۔ دیہی = ۶۶۴۳۶۰۹۴

ب۔ قصباتی = ۹۵۹۹۲۵۱

مجموعی = ۷۶۰۳۵۳۴۵

ہے۔ اب حساب یوں بنے گا کہ ہر ہزار گھر میں ۵۱۱۹ افراد یا ایک گھر میں ۵ سے زیادہ افراد رہتے ہیں۔ اس حساب میں یہ بات ملحوظ رہے کہ ملک میں بہت بڑی تعداد مجردین اور بیوہ عورتوں کی بھی ہے اور ۵ افراد سے کم کے کنبے ۵ افراد سے زیادہ کنبوں سے زیادہ ہیں۔ اس لحاظ سے مکانوں کی اس تعداد کو کم از کم بڑا اگنا ہونا چاہیے، ورنہ بہت سے افراد کھیتوں میں، بازاروں اور گلیوں میں اور دکانوں کے چبوتروں پر گرمی ہو کہ سردی، آسمان کی کھلی چھت کے نیچے سونے پر مجبور ہیں۔ اب اگر ہمارے پاس کافی فنڈ ہوں تو ہمیں چاہیے کہ موجودہ مکانات کی تعداد ڈیڑھ گنی کردیں۔

اس کے بعد صحت پر توجہ کی جانی چاہیے۔ یہ مسئلہ بہت ہی وسعتِ بحث کا طلبگار ہے اور اس کے ساتھ سیکڑوں امور کا قریبی تعلق ہے۔ مگر ہم اپنے موضوع کی رعایت سے چند اہم پہلوؤں پر غور کرنا کافی سمجھتے ہیں۔

یہ معلوم کرکے آپ کو حیرت ہوگی کہ کل آبادی میں سے دس لاکھ افراد سالانہ ملیریا کا شکار ہوتے ہیں اور بہت بڑی تعداد اس میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کام سے الگ ہوجاتی ہے اور بسترِ مرض سے اٹھ کر بھی ایک عرصہ تک کام کے قابل نہیں ہوتی۔ ۸ لاکھ افراد دق اور سل اور ٹائیفائڈ اور دوسرے بخاروں کا لقمہ ہوجاتے ہیں۔ ہیضے کے حملوں کی وجہ سے ۱۹۳۰ء اور ۱۹۴۰ء کے درمیان اوسطاً ۱ لاکھ اموات سالانہ واقع ہوئیں۔ طاعون اور جذام اور دوسری بیماریوں کے اعداد و شمار ہمارے سامنے نہیں ہیں۔ آنکھیں ضائع ہونے کی وجہ سے جو لوگ بے کار ہوجاتے ہیں ان کا بھی حساب غرض نہیں کیا جاسکتا۔

اس سے صحت کی حقیقت کا اندازہ لگائیے کہ ہندوستانیوں کی عمر کا اوسط ۲۶٫۹۱ سال ہے اور عورتوں میں ۲۶٫۵۶ سال۔

خصوصیت سے بچوں کی شرح اموات بہت ہی دردناک حد تک زائد ہے۔ مثلاً ۳۴ء میں جہاں بچوں کا اضافہ ۳۴ فی ہزار کے حساب سے ہوا تھا، ان میں سے ۲۲ کم عمری ہی میں موت کا شکار ہو گئے۔ زچاؤں کی شرح اموات تخمیناً ۲۰ فی ہزار ہے! —— جبکہ انگلستان میں ۲٫۹ فی ہزار شمار کی گئی ہے!

اب آپ سوچ سکتے ہیں کہ یہاں خاص صحت کے نقطۂ نظر سے غذا، لباس اور مکان کے مسئلہ کا صحیح حل بھی کتنا ضروری ہے اور پھر لوگوں کو توہمات سے نکالنے اور انھیں صفائی ستھرائی اور حفظِ صحت کے ڈھنگ سکھانے کے لیے تعلیم کا انتظام ناگزیر ہے۔ اور مزید برآں یہ کہ شفاخانوں کا اور ڈاکٹروں، دائیوں اور نرسوں کا اور تفریح گاہوں کا وسیع سلسلہ پھیلانا ہماری کتنی بڑی ضرورت ہے! —— خیر اگر ہمارے زکوٰۃ فنڈ کو توفیق ہو تو وہ اس خدمت میں حصہ لے سکتا ہے!

آخر میں تعلیم کو لیجیے۔ یہ اگرچہ بظاہر ثانوی سی ضرورت معلوم ہوتی ہے، مگر پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں کہ اس کی مدد کے بغیر ہماری اولین ضرورتیں بھی پوری نہیں ہو سکتیں۔ حال یہ ہے کہ تازہ مردم شماری کی رو سے صرف ۱۲۰ اشخاص فی ہزار خواندہ ہیں —— اور ان میں سے بہت سے لوگ برائے نام خواندہ طبقہ میں بطور "حسنِ ظن" شمار کیے جاتے ہیں۔ حالانکہ ہمیں نوشت و خواند، حساب کتاب، دنیا کی معمولی سی واقفیت، صحت و صفائی کے اصولوں، اور پیشہ ورانہ فنی معلومات کے علاوہ دینی اور اخلاقی تعلیم کم از کم ناگزیر حد تک کسی شخص کو بہم پہنچا دینے کے بعد اسے "خواندہ" شمار کرنا چاہیے۔ مگر خیر ابھی تک ۱۲۰ فی ہزار، یا کل آبادی میں سے ۴ کروڑ ۸۰ لاکھ افراد خواندہ ہیں اور بقیہ ۳۵ کروڑ ۲۰ لاکھ جانوروں کی طرح محنت مزدوری کرتے، کچھ کھاتے پیتے، چار دن جی کر عدم آباد کو رخصت ہو جاتے ہیں۔

آخر میں ہم نے آرام اور تفریح کی جو دفعہ ضروریات کی فہرست میں رکھی تھی، وہ اگرچہ بجائے خود بہت اہم ہے، مگر آپ جانتے ہیں کہ "یہ ہندوستان ہے" —— اس لیے اسے فہرست سے بالکل خارج کر دیجیے۔ ابتدائی مسائل کے حل ہونے کے بعد آئندہ کوئی نسل اسے حل کرتی رہے گی۔ اس وقت تو شدید ترین

امور پر غور کرنا کافی ہے کیونکہ آپ حالات کا سروے کرنے اٹھیں تو لوگوں کی بعض ضروریات چاروں طرف سے جھپٹ کے آجاتی ہیں، بھوک، برہنگی، جہالت، بیماری، ـــ غریب بے آرامی" کو یہاں کیا اہمیت دی جاسکتی ہے!

(۱) ۴۰ کروڑ باشندوں کے لیے مناسب مقدار میں روٹی فراہم کرنا۔

(۲) ۱۶ کروڑ ۴۰ لاکھ باشندوں کی غذا کو بہتر بنانا۔

(۳) ۴۰ کروڑ افراد کے لیے ۱۰ گز فی فرد کے حساب سے کپڑے کے حصے میں اضافہ کرنا۔

(۴) ۳۰۰۱۶۶۶۲ مکانات کی تعمیر۔

(۵) ڈاکٹروں اور دایاؤں کی ایک کثیر تعداد ـــ طبی تحقیقات کے ادارے ـــ شفا خانے ـــ سینی ٹوریم ـــ اور دواؤں کے بڑے بڑے اسٹاک!

(۶) نئے اسکولوں اور تعلیم بالغان کے مراکز کا اجرار۔

ان اہم ضروریات سے فاضل اگر کچھ رقم رہیں تو عوام کی امداد کے اور بہت سے شعبے ہو سکتے ہیں۔

ہندوستان میں زرعی زکوٰۃ کا اندازہ

ہندوستان ایک زرعی ملک ہے اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہاں کی ارضی پیداوار سے حکومت باطل کو جو مالیہ حاصل ہوتا ہے، نظام اسلامی کے تحت جو "عشر" حاصل ہو سکتا ہے اس کی مقدار بہت ہی کثیر بنتی ہے۔

پیشتر اس کے کہ ہم ایک سرسری اندازہ (Rough estimate) عشر کا قائم کریں، لازم ہے کہ عشر کے متعلق چند آئینی تفصیلات کو بیان کر دیں۔

(۱) حکم نص یہ ہے کہ جو زمینی پیداوار حاصل کرتے ہو اس پر زکوٰۃ دو۔ اس سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مالک زمین کی طرح کاشتکار پر بھی زکوٰۃ (عشر) واجب الادا ہے؟ اس معاملہ میں دو رائیں ممکن ہیں:

ا۔ زمیندار اور کاشتکار دونوں زمین سے پیداوار اٹھاتے ہیں، اول الذکر ملکیت زمین اور بعض مصارف کے حق کی بنا پر اور ثانی الذکر محنت کے حق کی بنا پر ـــ ان دونوں کو اپنے اپنے حصہ سے عشر دینا چاہیے۔

ب۔ کاشتکار تو محض مزدور ہے، جو اپنا معاوضہ کار جنس اور نقد دونوں شکلوں میں لے سکتا تھا

اور تنخواہ کا اصول ہو یا حصہ داری حاصل کا، بات ایک ہی ہے۔ اس وجہ سے اس پر عشر واجب نہیں!

مگر ان دونوں رایوں کا جوہر اگر جمع کر لیا جائے تو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ زمیندار کو بھی اور کاشتکار کو بھی اس امر کی گنجائش ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے مصارف اور معاش کو الگ کرنے کے بعد عشر نکال دیں۔ یا اگر زمیندار ہی عشر نکالے تو کل پیدا وار سے نکالے اور پھر بقیہ دونوں میں تقسیم ہو۔ اسی وجہ سے شرع نے عشر کے لیے نصاب مقرر کیا ہے کہ مصارف کاشت و معاش برآمد ہو جائیں۔

(۲) نصاب کیا ہے؟ ـــــ بعض ائمہ کسی نصاب کے سرے سے قائل نہیں ہیں، بلکہ ہر مقدار پیداوار پر عشر کا عائد ہونا واجب مانتے ہیں، اور بعض کے نزدیک نصاب ہے۔ ہم بھی اسی رائے سے اتفاق رکھتے ہیں۔ اس نصاب کی مقدار میں بھی اختلاف رائے ہوا ہے، مگر سہولت کے لیے ہم اس رائے کو اختیار کرتے ہیں، جو فرمودۂ نبوی "لیس فی حب ولا تمر صدقۃ حتی تبلغ خمسۃ اوسق" سے ماخوذ ہے اور خمسۃ اوسق کو اندازاً ۱۰ من انگریزی کے برابر قرار دیتے ہیں۔

(۳) کس فصل کو استثنیٰ ہے؟ ـــــ فرمودۂ نبوی ہے کہ لیس فی الخضراوات صدقۃ ولا فی العرایا صدقۃ۔ یعنی سبزیوں اور چارہ کی فصلوں اور وقتی (جن کا ذخیرہ نہ ہو سکے) پھلوں میں زکوٰۃ نہیں۔

(۴) بارانی زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ کی شرح ۱/۱۰ ہے اور مصنوعی آبپاشی کی جائے تو (اس کے صرفہ و محنت کا لحاظ کرتے ہوئے) شرح زکوٰۃ ۱/۲۰۔ (عن عبد اللہ بن عمر عن النبی صلعم فیما سقت السماء والعیون اوکان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر۔)

ان ضروری اشارات کے بعد ہندوستان کی زرعی حالت کے متعلق یہ واضح رہے کہ ۳۵-۱۹۳۴ء میں کل رقبۂ زیر کاشت ۲۹۵۰۰۰۰۰ ایکڑ تھا۔ اس میں سے مصنوعی طور پر آبپاش رقبہ ۵۰۰۰۰۰۰ کروڑ ایکڑ تھا اور بقیہ بارانی ۳۴۰۰۰۰۰ کروڑ ایکڑ تھا۔ یعنی اول الذکر کی پیداوار میں عشر کی شرح ۱/۲۰ ہوگی اور ثانی الذکر پیداوار میں ۱/۱۰۔

اس سارے رقبہ میں ۲۰/۴ بڑ رقبہ ایسا تھا جس میں چارہ کی فصلیں کاشت کی گئی تھیں اور تقریباً

لہ دوران جنگ میں چونکہ افراط زر کی کیفیت مصنوعی طور پر پیدا کی گئی ہے اور اس سے صحیح اندازہ میں خلل واقع ہوتا ہے اس وجہ سے قبل جنگ اعداد و شمار سے نتائج کا اندازہ کرنا زیادہ مناسب ہے۔

رقبہ سبزیوں کے لیے اندازاً ہمیں الگ کر دینا چاہیے۔ یعنی کل ۴٫۰۸ فیصد، رقبہ عشر سے مستثنیٰ رہے گا۔ یہ مقدار بنے گی دکروڑ ستائیس لاکھ اسی ہزار ایکڑ۔ علاوہ بریں اندازاً زمین سے پیداوار حاصل کرنے والے زمینداروں لوگوں میں سے وہ بڑی تعداد جو نصاب سے کم پیداوار دینے والا رقبہ رکھتی ہے، اس کی اراضی کو عشر سے بچانے کے لیے نصف رقبہ ہمیں الگ کر دینا چاہیے۔ یوں تو زراعت پر گذران کرنے والوں میں وہ زیر نصاب سے کم فصل دینے والا رقبہ رکھتے ہوں گے، لیکن چونکہ ان کے قبضہ میں اوسطاً فی کس رقبہ کم ہی آتا ہے، اس لیے لازماً نصاب سے زائد پیداوار حاصل کرنے والوں کی تعداد اگرچہ کم ہو مگر رقبہ زمین بحیثیت مجموعی ان کی طرف زیادہ جاتا ہے۔ اس وجہ سے ۵۰ فیصد رقبہ کو عشر ادا کرنے والا رقبہ ماننا کچھ غلط اندازہ نہیں ہوگا۔

مگر محض رقبہ سے تو عشر کا اندازہ ہونے سے رہا، یہ تو متعین طور پر معلوم ہونا چاہیے کہ پیداوار کتنی ہوتی ہے کیونکہ عشر پیداوار پر محسوب ہوتا ہے۔

پیداواروں کے متعلق اگرچہ مفصل سال وار اعداد و شمار موجود ہیں مگر ان کی قیمت لگا کر اندازہ قائم کرنے سے بہتر یہ ہے کہ ماہرین کا لگایا اندازہ پیش نظر رکھا جائے۔ مثلاً

منو مسانی نے مختلف خوردنی و صنعتی اجناس کی پیداواروں کو پیش نظر رکھ کے قبل جنگ کے نرخوں کی روشنی میں یہ رائے دی ہے کہ ہندوستان میں فی ایکڑ اوسط زرعی پیداوار کی آمدنی ۵۰ روپے ہے۔ اب کل مزروعہ رقبہ انتیس کروڑ پچاس لاکھ ایکڑ میں سے نصف کو مستثنیٰ کر دیجیے جس کے مالکوں یا مزارعوں کو بمنا۔ عشر سے کم پیداوار ملتی ہے۔

اب رہا زائد از نصاب پیداوار دینے والا رقبہ:	۱۴۷۵۰۰۰۰۰	ایکڑ
اس میں سے مصنوعی آبپاشی =	۲۶۰۰۰۰۰۰	ایکڑ
بارانی =	۱۲۱۵۰۰۰۰۰	ایکڑ

مصنوعی آبپاشی رقبہ میں سے چاول اور سبزیاں اگانے والے ۴٫۰۸ پر رقبہ کی منہائی

۲۶۰۰۰۰۰۰
۳۰۷۶۰۰۰
———
۲۹۰۷۶۰۰۰

پیداوار بحساب ۵۰ روپیہ فی ایکڑ	=	۱۱۹۸۸۰۰۰۰۰ روپیہ
زکوٰۃ بحساب ۱/۲۰	=	۵۹۹۴۰۰۰۰ روپیہ
بارانی رقبہ میں سے چارہ اور سبزی اگانے والے ۲۰٫۴ نیز رقبہ کی منہائی		۱۲۱۵۰۰۰۰۰ ۱۰۲۰۶۰۰۰ ۱۱۱۲۹۴۰۰۰
پیداوار بحساب ۵۰ روپیہ فی ایکڑ	=	۵۵۶۴۷۰۰۰۰۰ روپیہ
زکوٰۃ بحساب ۱/۱۰	=	۵۵۶۴۷۰۰۰۰ "
دونوں رقبوں کی زکوٰۃ کا مجموعہ ———	=	
بارانی	=	۵۵۶۴۷۰۰۰۰ روپیہ
مصنوعی آبپاشی	=	۵۹۹۴۰۰۰۰ روپیہ
میزان		۶۱۶۴۱۰۰۰۰ "

یہ رقم اکسٹھ کروڑ چونسٹھ لاکھ دس ہزار روپے سالانہ حاصل ہوگی۔

اور اگر بقیہ نصف رقبہ پر بھی اس نظریہ کے تحت زکوٰۃ لی جائے جس میں زرعی زکوٰۃ کے لیے کوئی نصاب تسلیم نہیں کیا گیا تو یہ رقم دگنی ہو جائے گی یعنی ۱۲۳۲۸۲۰۰۰۰ روپیہ سالانہ۔

اب اگر اتنی رقم ہر سال غربا کی امداد کے لیے نکالی جائے تو خیال کیجیے کہ "سرمایہ داری" کس طرح گھل گھل کے ختم ہو جائے گی اور مفلسی رفتہ رفتہ کیسی تومند ہو کے رہے گی۔ روپے اور دولت کے سمندر میں سے اتنی بڑی نہر اگر نکال کر پہلے کھیتوں تک لے جائی جائے تو کتنا بڑا انقلاب واقع ہو سکتا ہے۔

یہ ضرور بجا ہے کہ زکوٰۃ لینے کے بعد آپ مروجہ مالیہ وصول کرنے کے حقدار نہ ہوں گے، اور جو مصارف آج مالیہ سے پورے ہوتے ہیں ان کے لیے یقیناً دوسرے ذرائع نکالنے پڑیں گے ——— یعنی امرا پر [illegible] ٹیکس وغیرہ کا اضافہ کرنا ہوگا ——— مگر آپ غربا کا یہ حق مار کر اور اس کی جگہ مالیہ وصول کر کے اپنے مصارف ریاست کو پورا کرنے ہی کی وجہ سے تو سرمایہ داری کو پھلنے پھولنے کا موقع دے رہے تھے۔ اب اگر اس بلا کو روکنا ہے تو غربا کا حق غربا کے لیے چھوڑ دیجیے اور اپنے مصارف دوسرے ذرائع سے پورے کیجیے۔

(باقی)